فرحت عباس شاہ

# شام کے بعد

(200 واں گفٹ ایڈیشن)

Happy
Valentine Day

# شام کے بعد

(۲۰۰ واں گفٹ ایڈیشن)

فرحت عباس شاہ

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332، 7232336 فیکس: 7223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | ............ | شام کے بعد (اوّل) |
| شاعر | ............ | فرحت عباس شاہ |
| ناشر | ............ | گلفراز احمد |
| | | علم و عرفان پبلشرز، لاہور |
| مطبع | ............ | زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور |
| ایڈیشن | ............ | 200واں ایڈیشن |
| سن اشاعت | ............ | فروری 2010ء |
| تعداد | ............ | 1000 |
| قیمت | ............ | -/200 روپے |

☆....... ملنے کے پتے ....... ☆

**علم و عرفان پبلشرز**

الحمد مارکیٹ 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332-7232336

**سیونتھ سکائی پبلیکیشنز**

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7223584 موبائل: 0300-4125230

# اِنتساب

والدین کے نام ——

جنھوں نے اپنے زخمی ہاتھوں سے
مجھے بہت اونچا تعمیر کیا —— !

تُو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دُکھ
تُو کِسی روز مِرے گھر میں اُتر شام کے بعد

# فہرست


۱ ـــــ طلوع سے پہلے ' ۱۱
۲ ـــــ کچھ آپ سے اپنے بارے میں ' ۱۳
۳ ـــــ بے مائیگی ' ۱۷
۴ ـــــ تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد ' ۱۸
۵ ـــــ اک کہانی سبھی نے سنائی مگر چاند خاموش تھا ' ۲۰
۶ ـــــ دو شعر ' ۲۲
۷ ـــــ کبھی تمنا کے راستوں پر نکل پڑو تو ' ۲۳
۸ ـــــ تمہیں واپس بلاتی ہیں ' ۲۶
۹ ـــــ دو شعر ' ۲۸
۱۰ ـــــ اپنی اپنی سوچ اپنے پیرائے ہیں ' ۲۹
۱۱ ـــــ سوچتے رہنے کی عادت ہو گئی ' ۳۱
۱۲ ـــــ ایک شعر ' ۳۳
۱۳ ـــــ پر یہ دل یہ سودائی ' ۳۴
۱۴ ـــــ ہزار رستہ بدل کے دیکھا ' ۳۵
۱۵ ـــــ دو شعر ' ۳۷
۱۶ ـــــ اداس شامیں اجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا ' ۳۸
۱۷ ـــــ ایک وحشت سی طاری ہے ماحول پر آسمان زرد ہے ' ۴۰
۱۸ ـــــ چار شعر ' ۴۲
۱۹ ـــــ میں دانستہ نہیں بچھڑا ' ۴۳
۲۰ ـــــ نیو کیمپس ' ۴۵
۲۱ ـــــ ایک شعر ' ۴۹

۲۲ ــــ تمہارا پیار مرے چار سُو ابھی تک ہے۔ ۵۰
۲۳ ــــ تین شعر ۵۲
۲۴ ــــ رو دیتا ہوں ' ۵۳
۲۵ ــــ ہجر کی مسافت میں ' ۵۴
۲۶ ــــ تین شعر ' ۵۶
۲۷ ــــ رت نہیں تھی تو رہا جی کا سنبھلنا مشکل ' ۵۷
۲۸ ــــ سب اپنی ذات کے کرب و بلا کی قید میں ہیں ' ۵۹
۲۹ ــــ تین شعر ' ۶۱
۳۰ ــــ ون وے ' ۶۲
۳۱ ــــ تم نے سن لیا ہو گا ' ۶۳
۳۲ ــــ دو شعر ' ۶۵
۳۳ ــــ موسموں کا تشدد تو جاری رہا زندگی تھک گئی ' ۶۶
۳۴ ــــ دو شعر ' ۶۸
۳۵ ــــ تو یہ بھی لکھنا ' ۶۹
۳۶ ــــ دو شعر ' ۷۱
۳۷ ــــ کون سے دکھ کی بات کریں ' ۷۲
۳۸ ــــ جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے ' ۷۴
۳۹ ــــ اقرار گئے انکار گئے ہم ہار گئے ' ۷۶
۴۰ ــــ ایک شعر ' ۷۸
۴۱ ــــ کسے خبر ہے ' ۷۹
۴۲ ــــ جان لیوا شبیں ' ۸۱
۴۳ ــــ دو شعر ' ۸۳
۴۴ ــــ روح پہ اب افتاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے ' ۸۴
۴۵ ــــ ہاں یہ ہو گا کہ ذرا دل کو سنبھالے دے گا ' ۸۶
۴۶ ــــ دو شعر ' ۸۸

۴۷ ——بھی جو کوئی پوچھ لے ۸۹
۴۸ ——دو شعر ' ۹۱
۴۹ ——وہ آخری شام ' ۹۱
۵۰ ——دو شعر ' ۹۴
۵۱ ——میں نے دیکھا دیوانوں کو شام کے بعد ' ۹۵
۵۲ ——ایک ادھوری نظم ' ۹۷
۵۳ ——کہیں آرزوئے سفر نہیں، کہیں منزلوں کی خبر نہیں ' ۱۰۰
۵۴ ——سکوت شام، کسی کا خیال، سرد ہوا ' ۱۰۲
۵۵ ——وقت کو گزرنا ہے ' ۱۰۴
۵۶ ——محبت بھی کچھ ایسی ' ۱۰۶
۵۷ ——دو شعر ' ۱۰۹
۵۸ ——ایک شعر ' ۱۱۰
۵۹ ——تمہارا دھیان باقی رہ گیا ہے ' ۱۱۱
۶۰ ——ایک شعر ' ۱۱۰
۶۱ ——تمہارا دھیان باقی رہ گیا ہے ' ۱۱۳
۶۲ ——مری جاں تم سے اپنا آپ پیارا کون کرتا ہے ' ۱۱۳
۶۳ ——محبت کی ادھوری نظم نمبر۲ ' ۱۱۵
۶۴ ——ایک شعر ' ۱۱۶
۶۵ ——جلنے لگی لہو میں جدائی تو رو دیے ' ۱۱۷
۶۶ ——تین شعر ' ۱۱۹
۶۷ ——دو شعر ' ۱۰۲
۶۸ ——محبت کی ادھوری نظم نمبر۳ ' ۱۲۱
۶۹ ——تین شعر ' ۱۲۳

۷۲ ——شاہ مزاج تھے سائل کر کے کہتے ہو ، ۱۲۹
۷۳ ——پس دیوار ، ۱۳۱
۷۴ ——دو شعر ، ۱۳۳
۷۵ ——تین شعر ، ۱۳۴
۷۶ ——ایک شعر ، ۱۳۵
۷۷ ——یہ نہ سمجھو کہ ٹل رہی ہے شام ، ۱۳۶
۷۸ ——کبھی کچھ یاد آئے تو ، ۱۳۸
۷۹ ——اداس پیڑوں کی دل پر ہے باڑ ہجر کی شام ، ۱۴۱
۸۰ ——دو شعر ، ۱۴۳
۸۱ ——یہی سمجھ میں آیا ہے ، ۱۴۴
۸۲ ——دشت کی ایک اپنی کہانی ہے تنہائی کی ، ۱۴۹
۸۳ ——افق افق سر مارے شام ، ۱۵۰
۸۴ ——رات ایک اور نیا ظلم ہوا ، ۱۵۲

# طلوع سے پہلے

ماحول اور مقام، عناصر اور مظاہر جہاں اپنا اپنا مزاج رکھتے ہیں،
وہاں اپنے ساکنوں کے مزاج پر بھی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہ ساکن
حیوانات و نباتات ہوں یا انسان۔ انسان کے مزاج کی کیفیات جو بدلتے
رہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں اظہار کی مختلف صورتوں میں آشکار ہوتی
ہیں۔ اور ہر کیفیت اپنے سامع اور ناظر پر اثر پزیری کی شدت کے مطابق
داد اور بے داد کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ شاعری اظہار کی تمام صورتوں میں
خوبصورت ہے۔ جو تمام حواس کو بیک وقت ان کے دائرہ احساس کے
مطابق ذائقوں سے منور کرتی ہے اور یہ ذائقے جس قدر لطیف و نظیف
ہوں گے شاعری اتنی ہی ارفع کہلانے کی حقدار ہو گی۔ اور اگر یہ ذائقے
ایک تسلسل کے ساتھ تمام حسیات میں سفر کرتے ہیں تو اس شاعری کا مقام
بہت بلند ہے۔ ایسی شاعری کو تابکار شاعری کہا جاتا ہے۔ جو نہ صرف خود
ایک قوت ہے بلکہ جس پر اثر بار ہوتی ہے اس کو بھی ایک قوت میں
تبدیل کر دیتی ہے۔ یہی سچا تخلیقی جوہر ہے۔ اور اس سے نکلنے والی شعاعیں
جاری رہتی ہیں۔ ہر وقت ہر سمت۔

آپ ظاہر کرنے میں کچھ وقت لے' مگر اس کی تلاش بھی ایک جان لیوا کام ہے۔ اور یہ جان لیوا کام زیر نظر شاعر کرتا نظر آتا ہے فرحت عباس اپنے نام کی طرح لطافت اور ثقالت کا امتزاج ہے۔ بیک وقت مارشل آرٹس اور فائن آرٹس کی اعلیٰ صورتوں سے بہرہ ور جہلم کی شجاعت خیز اور چناب کی محبت آمیز روانی کے ساتھ ساتھ اس میں صحرا کا سا پر جلال سکوت بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایسا سکوت جس کی ہیبت کسی طوفان سے کم نہیں۔ اس کی وجہ وہ ماحول' مقام' عناصر اور مظاہر ہیں' جن کی آغوش میں فرحت عباس نے جنم لیا اور پروان چڑھا۔ سرزمین جھنگ سے اٹھنے والے مردان جہاں نواز میں یہ نام بھی بہت جلد اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ فرحت عباس کچھ کرنے اور کچھ کر دکھانے کے لئے بیتاب رہنا۔ اس کا یہی اضطراب بلکہ پیچ و تاب اس کو مروجہ طرز اظہار کی لغت سے نکال لے جاتا ہے۔ جیسے چڑھتا چناب' اس کی شاعری میں نظم یا غزل یہی موجیں سلسلہ وار اترتی چڑھتی دوڑتی اور ایک دوسرے میں گھل مل کر ان دیکھی منزلوں کو جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ منزلیں جو اس کی شاعری کی منزل ہیں۔ صحرا اور دریا' ایک سب پیاس' ایک سب پانی یہ دو مظاہر فرحت عباس کے ذاتی اور شعری مزاج پر حاوی نظر آتے ہیں۔ اس کا شعری آہنگ بانسری کی دھن کی طرح سحر کارو نشاط آمیز ہے جو شام کے بعد دریا کے ریتلے کناروں پر پھیلی چاندنی میں ڈوبتی ابھرتی ہے۔ راگ پہاڑی کی فراق وصل آسا کی دھن۔

خطہ جھنگ سے تعلق رکھنے والے عہد جدید کے شعرا میں مرحوم مجید امجد' مرحوم جعفر طاہر اور مرحوم شیر افضل جعفری کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک قدر مشترک واضح طور پر ان میں نظر آتی ہے اور وہ ہے اپنی اپنی لفظیات کی دنیا۔ مجید امجد نے شاعری میں لفظوں کے آہنگ سے

جلال و جمال کا وہ سماں باندھا ہے کہ الفاظ پر شکوہ افواج کے سلامی دیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری طرف مرحوم شیر افضل جعفری نے جھنگ رنگ میں لفظوں کی دھمال دکھا دی۔ جذب و مستی کا وہ عالم کہ معانی کی سمجھ عیب نظر آئے تمام الفاظ نعرہ ہائے مستانہ کی طرح ایک آہنگ میں رقصاں رقصاں اس شاعرانہ وراثت کی امین سر زمین سے اٹھنے والے ہر شاعر نے اپنے لیے نئی راہ تراشی ہے۔

فرحت عباس بھی اپنے لیے نئی راہ تراش رہا ہے۔ "شام کے بعد" اس کا پہلا قدم ہے۔ اور مجھے لگتا ہے وہ قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

علی اکبر عباس

# کچھ اپنے بارے میں

بہت سی باتیں ہیں جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں مگر الفاظ نوک قلم پر آکے رکنے لگتے ہیں۔ دراصل کوئی انجانا سا خوف ہے جو ہمیشہ مجھے کسی دوسرے کے سامنے کھلنے نہیں دیتا اور خاص طور پر میری ان گرہوں کو جن کا تعلق کسی بھی حوالے سے میری ذات کے کسی دکھ سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بہت ہی پیارا اور قریبی شخص اگر کوئی ایک آدھ گرہ کھول بھی لے تو باقی گرہیں اتنی مضبوطی سے بندھ جاتی ہیں کہ وجود ٹوٹنے لگتا ہے۔ ہاں البتہ جب کبھی بہت زیادہ بوجھل ہو جاتا ہوں تو خود سے ملتا ہوں' اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوں اور خود ہی اپنا دکھ سکھ بانٹتا ہوں۔ خود سے ملاقات کے یہ لمحے ہر حوالے سے میرے اور صرف میرے ہوتے ہیں۔ میری ہر بات اور ہر راز کے امین "شام کے بعد" انہیں لمحات پر مشتمل کتاب ہے۔

میں نے جب بھی کبھی خود سے کچھ کہا یا میرے اندر موجود کسی ذات نے مجھے کچھ بتایا یا مجھ سے کچھ پوچھا میں نے من و عن لکھ دیا۔ مکمل یا نامکمل' اصح یا غیر واضح۔ یہی وجہ ہے کہ "شام کے بعد" میں آپ کو مکمل نظموں اور غزلوں کے ساتھ ادھوری اور نامکمل باتیں بھی ملیں گی۔ اب کوئی انہیں شاعری کہے یا کچھ اور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ رہی بات کتاب کی اشاعت کی تو اس میں سارا قصور مجھ سے محبت کرنے والی

ان ہستیوں کا ہے جنہوں نے مجھے اس پر مجبور کیا یا میری مدد کی۔ اور اب جبکہ کتاب شائع ہو گئی ہے تو ایک تجسس سا ہے کہ کیا میری بات صرف میری ہی ہے یا میرے معاشرے کے دوسرے لوگوں کی بھی۔ اگر تو میری ذات کے دکھ کہیں نہ کہیں آپ کے دکھ بھی ہیں تو مجھے اپنی آگہی اور اپنے احساسات پر فخر ہو گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہی تو پھر بھی کوئی بات نہیں کیونکہ مجھے تو اپنے دکھ بہرحال اپنی خوشیوں سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

فرحت شاہ

یکم مئی 1989ء

میرے اظہار اور میرے احساسات کی اس طرح پزیرائی ہو گی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ بلکہ ڈرتے ڈرتے "شام کے بعد" کا پہلا قدم اٹھایا تھا کہ پتہ نہیں قارئین اور سخنوروں کا ردعمل کیا ہو۔ لیکن جو حوصلہ افزائی اور عزت افزائی ہوئی ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ کتاب کے پریس سے آنے کے ٹھیک چار ماہ بعد نئے ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور یہ ایک انفرادیت ہے کہ کسی گمنام اور نئے شاعر کی پہلی کتاب کا دوسرا ایڈیشن اتنی جلدی آیا ہو۔

اب بجا طور پر مجھے اپنا آپ اس مقام پر نظر آتا ہے کہ جہاں میں اپنے احساسات اور آگہی پر فخر کر سکتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہم سب تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک جیسے ہی دکھوں کے گھائل، ایک جیسے ہی حالات کے ڈسے ہوئے اور زخم خوردہ ہیں۔ یہی

گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ حرف و احساس کا یہ عمل میری ذات سے نکل کر آپ کی ذات میں بالکل اسی طرح جذب ہوا ہے جیسا کہ یہ تھا۔

شاعری نہ تو میرا مشغلہ ہے' بلکہ یہ تو میرا اپنا آپ ہے' اچھی تو یہ مجھے پہلے بھی بہت لگتی تھی لیکن اب یہ جذبہ اور بڑھ گیا ہے کیونکہ اس نے مجھے بہت سارے اہل دل' حساس اور محبت کرنے والے قارئین دیے ہیں جو میرے لیے تیز دھوپ کے سفر میں ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں ہیں۔

فرحت شاہ

20/ اکتوبر 1989ء

# بے مائیگی

میرے اللہ
میں نے جب بھی
تیرے بارے لکھنا چاہا
میں نے دیکھا
میرے ہاتھوں میں لرزش ہے
آنکھوں میں گھنگھور گھٹا

○

تُو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چُپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد

اِتنے چُپ چاپ کہ رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر شام کے بعد

میں نے ایسے ہی گنہ تیری جدائی میں کیے
جیسے طوفاں میں کوئی چھوڑ دے گھر شام کے بعد

شام سے پہلے وہ مست اپنی اُڑانوں میں رہا
جس کے ہاتھوں میں تھے ٹوٹے ہوئے پر شام کے بعد

رات بیتی تو گِنے آبلے اور پھر سوچا
کون تھا باعثِ آغازِ سفر شام کے بعد

تُو ہے سُورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کِسی روز مرے گھر میں اُتر شام کے بعد

لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج
کھول رکھتے ہیں اِسی آس پہ در شام کے بعد

---

○

اِک کہانی سبھی نے سُنائی مگر چاند خاموش تھا
اس کی آواز کا منتظر تھا نگر چاند خاموش تھا

کون تھا جس کی آہوں کے غم میں ہوا سرد تھی شہر کی
کس کی ویران آنکھوں کا لے کے اَثر چاند خاموش تھا

وہ جو سہتا رہا رت جگوں کی سزا چاند کی چاہ میں
مَر گیا جب تو نوحہ کناں تھے شجر چاند خاموش تھا

اُس سے مِل کے میں یوں خامشی اور آواز میں قید تھا
اِک صدا تو مرے ساتھ تھی ہم سفر چاند خاموش تھا

کل کہیں پھر خدا کی زمیں پر کوئی سانحہ ہو گیا
میں نے کل رات جب بھی اٹھائی نظر چاند خاموش تھا

---

# دو شعر

لبوں پہ گیت تو آنکھوں میں خواب رکھتے تھے
کبھی کتابوں میں ہم بھی گلاب رکھتے تھے

کبھی کسی کا جو ہوتا تھا انتظار ہمیں
بڑا ہی شام و سحر کا حساب رکھتے تھے

○

# کبھی تمنّا کے راستوں پر نکل پڑو تو

کبھی تمنّا کے راستوں پر نکل پڑو تو
خیال رکھنا
ہوائیں، بادل، فضائیں، موسم، خیال
چہرے بدل بدل کر تمھیں ملیں گے
تو لمحہ لمحہ بدلتے رنگوں کے شوخ دھوکے میں آ نہ جانا
کبھی جو چاروں طرف تمھارے

کرن کرن اپنا خواب آسا بدن نکھارے

زمیں پہ اُترے

تو دھندلکوں میں سما نہ جانا

کبھی جو آنکھوں میں چاند ہنس ہنس کے چاندنی کا خمار بھر دے

تو اپنی آنکھیں کہیں خلا میں گنوا نہ آنا

کہ یہ نہ ہو پھر جو خواب ٹوٹے

دھنک دھنک کا سراب ٹوٹے

تو جسم و جاں پر عذاب ٹوٹے

اور تم بمشکل لرزتے ہاتھوں میں

کِرچی کِرچی بدن سنبھالے

کہیں بلندی پہ چڑھ کے رِستی ہوئی نگاہوں سے

واپسی کے نشان ڈھونڈو

اُجڑ گیا جو جہان ڈھونڈو

کبھی تمنّا کے راستوں پر نکل پڑو تو خیال رکھنا

کہیں سے خالی پلٹ کے آنا بہت کٹھن ہے

بہت کٹھن ہے۔

○

# تمھیں واپس بُلاتی ہیں

ہم اپنے آپ کو
پتّھر اَنا کے خوف سے
جتنا بظاہر پرسکوں رہنے کی عادت ڈال لیں
پر ہجر کی بے چین یخ بستہ ہوا سے
راکھ میں ڈھلتی تمنّائیں بھی
آخر کپکپاتی ہیں

صدائیں لڑکھڑاتی ہیں
تمھیں معلوم تو ہو گا
کہ کچّی عُمر کی چاہت
ہزاروں سال بھی دِل کے کسی گہرے سمندر میں رہے پابند
پر
پھر بھی کبھی مرتی نہیں
میں نے بہت عرصہ تمھیں
یادوں، خیالوں اور خوابوں کی نگاہوں سے کیا اوجھل
مگر جاناں
میں اپنے آپ سے اب لڑتے لڑتے تھک گیا ہوں
اور
اکیلے پن کے ویراں شہر میں جب شام ڈھلتی ہے
تو مدّت سے تھکی ہاری وفائیں
سوگ میں ڈوبے ہوئے کچھ گیت گاتی ہیں
تمھیں واپس بُلاتی ہیں

# دو شعر

تپش سے بچ کے گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

ہم ارد گرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
ترے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

اپنی اپنی سوچ اپنے پیرائے ہیں
ہم نے خود سے بھی کچھ روگ چھپائے ہیں

گھر کی ویرانی سے تو مانوس ہی تھے
ہم تو شہروں کی چُپ سے گھبرائے ہیں

آبادی سے نکلے تو معلوم ہوا
آگے تنہائی ہے پیچھے سائے ہیں

آزادی کے دِن سب نے تعزیروں سے
خوفزدہ ہو کر بازار سجائے ہیں

اپنے خالی کمرے میں تنہا اکثر
میں نے دیواروں پر شہر بسائے ہیں

سوچتے رہنے کی عادت ہو گئی
چونکتے رہنے کی عادت ہو گئی

ہجر کی راتوں کے سنگ آنکھوں کو بھی
جاگتے رہنے کی عادت ہو گئی

جانے کیا ڈر ہے کہ اپنے آپ سے
بھاگتے رہنے کی عادت ہو گئی

وہ نہیں لوٹے گا پھر کیوں رہگزر
دیکھتے رہنے کی عادت ہو گئی

وہ مرے اندر چھپا ہے اور اُسے
بولتے رہنے کی عادت ہو گئی

---

# ایک شعر

گھر جانے سے اتنے خوفزدہ ہیں لوگ
رات گئے تک بازاروں میں پھرتے ہیں

---

# پر یہ دِل یہ سودائی

منظروں سرابوں کی
شدّتوں سے گھبرا کر
راہ تو بدل لی ہے
پر یہ دِل یہ سودائی —
روک روک لیتا ہے
ڈُوب ڈُوب جاتا ہے

# ہزار رستہ بدل کے دیکھا

ہمیں پتہ ہے کہ
ہم نے کتنا سنبھل کے دیکھا
نئی اور انجانی رہگزاروں پہ چل کے دیکھا
ہزار رستہ بدل کے دیکھا
مگر مری جاں
ہر ایک رستہ تمھاری جانب پلٹ گیا ہے

تمام نقشہ اُلٹ گیا ہے
اور اس سفر میں
وجود زخموں سے اَٹ گیا

# دو شعر

لاکھ دُوری ہو مگر عہد نبھاتے رہنا
جب بھی بارش ہو مِرا سوگ مناتے رہنا

تم گئے ہو تو سرِ شام یہ عادت ٹھہری
بس کنارے پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے رہنا

اُداس شامیں، اُجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا

ابھی نئی وادیوں، نئے منظروں میں رہ لو مگر مری جاں
یہ سارے اک ایک کر کے جب تم کو چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا

جو شام ڈھلتے ہی اپنی اپنی پناہ گاہوں کو لوٹتے ہیں
اگر وہ پنچھی کبھی کوئی داستاں سُنائیں تو لوٹ آنا

نئے زمانوں کا کرب اوڑھے ضعیف لمحے نڈھال یادیں
تمہارے خوابوں کے بند کمروں میں لوٹ آئیں تو لوٹ آنا

میں روز یونہی ہوا پہ لکھ لکھ کے اس کی جانب یہ بھیجتا ہوں
کہ اچھے موسم اگر پہاڑوں پہ مسکرائیں تو لوٹ آنا

اگر اندھیروں میں چھوڑ کر تم کو بھول جائیں تمہارے ساتھی
اور اپنی خاطر ہی اپنے اپنے دیے جلائیں تو لوٹ آنا

مری وہ باتیں تو جن پہ بے اختیار ہنستا تھا کھلکھلا کر
بچھڑنے والے مری وہ باتیں کبھی رلائیں تو لوٹ آنا

---

○

ایک وحشت سی طاری ہے ماحول پر آسماں زرد ہے
سبز موسم میں پیلے شجر دیکھ کر آسماں زرد ہے

آج خوشیاں منانے کا دن ہے یہ حاکم کا فرمان ہے
ہم یہ خوشیاں منا بھی رہے ہیں مگر آسماں زرد ہے

ایسا لگتا ہے منزل سے پہلے کوئی قافلہ لُٹ گیا
اے مسافر ذرا دیکھ تو اِک نظر آسماں زرد ہے

کل تو جنگل کے جل جانے کے سوگ میں آسماں زرد تھا
آج بستی کی ویرانیاں دیکھ کر آسماں زرد ہے

اس کو بے حس یا پتّھر کا انسان ہونے کا طعنہ نہ دو
جس کی بینائی کم ہو اُسے کیا خبر آسماں زرد ہے

آسمانوں پہ رہ کے ہے ممکن زمینوں کا ڈھب دیکھنا
اے خدا! تو کسی دِن زمیں پہ اُتر آسماں زرد ہے

---

○

# چار شعر

جلتی بُجھتی دھوپ میں سرد ہوا میں رہنا سیکھ لیا
اُس سے بچھڑ کے ہجر کا اِک اِک موسم سہنا سیکھ لیا

ساحل ساحل ٹکرا کے جب چُور ہوئے تو ہم نے بھی
دریا کی لہروں میں لہریں بن کر بہنا سیکھ لیا

اپنا دکھ بس اپنا ہی دُکھ ہوتا ہے یہ جان لیا
اپنے آپ سے اپنی ساری باتیں کہنا سیکھ لیا

نئی نویلی تنہائی کی باہنیں ڈال کے باہنوں میں
رات گئے تک نہر کنارے بیٹھے رہنا سیکھ لیا

○

# میں دانستہ نہیں بچھڑا

ستم دیکھو
ابھی پوری طرح سنبھلے نہیں تھے اور
ابھی سے جسم و جاں کا قرض
ناکردہ گناہوں کی سزا بن کر
بدن اور خواب کے درپے ہوا ہے
تم یقین جانو

## میں دانستہ نہیں بچھڑا

میں اپنی زندگی کے جُرم کی پاداش میں
دہشت زدہ دن رات لے کر

اپنے ہی ہاتھوں میں
خود اپنے ہی خالی ہاتھ لے کر

جان

خود کو بیچنے نکلا ہوا ہوں اور
نجانے کب، کہاں، اور کس قدر
قیمت لگے
قیمت لگے بھی یا ......

○

# نیو کیمپس

نہر کے کِنارے پر
شام سے ذرا پہلے
تتلیاں بکھرتی ہیں
خوشبوؤں کی لہروں میں
ڈُوبتی اُبھرتی ہیں

چھیڑ کر گزرتی ہیں
اور اپنی آنکھوں سے
جگنوؤں کی آنکھوں میں
راستے بناتی ہیں
رُوح میں اُترتی ہیں

---

نہر کے کِنارے پر
تتلیوں کے خیموں کے
ارد گرد دیوانے
پنچھیوں کی پروازیں
چھُو کے گدگدا جاتی
شوخ و شنگ آوازیں
کتنی پیاری لگتی ہیں

اِک کِنارا ایسا ہے
جس جگہ اکیلے ہیں
بے زبان پیڑوں کے
آسروں سے لگ لگ کر
یاد بین کرتی ہے
آس ڈگمگاتی ہے

خامشی کے صدمے سے
سانس لڑکھڑاتی ہے
بار بار گھبرا کر
ڈوب ڈوب جاتی ہے
جان! اُس کنارے پر
آنکھ کا کنارا ہے
وحشتوں کا دھارا ہے

سرد سرد جھونکے ہیں

کوئی بے سہارا ہے

نہر کے کنارے پر

# ایک شِعر

بچھڑے یُوں کہ ریت پہ گُم سُم بیٹھے بیٹھے
اُس نے میرا میں نے اُس کا جُرم لِکھا

○

تمھارا پیار مِرے چار سُو ابھی تک ہے
کوئی حِصار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

بچھڑتے وقت جو تم سونپ کر گئے تھے مجھے
وہ انتظار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

تو خود ہی جانے کہیں دُور کھو گیا ہے مگر
تِری پُکار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

میں جب بھی نِکلا مرے پاؤں چھید ڈالے گا
جو خار زار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

میں اب بھی گرتے ہوئے پانیوں کی قید میں ہوں
اِک آبشار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

کوئی گمان مجھے تم سے دُور کیسے کرے
کہ اعتبار مِرے چار سُو ابھی تک ہے

---

# تین شعر

لفظ ہیں جیسے خالی رستے بات کھنڈر ویران
دِل کے روگ نے کر ڈالی ہے ذات کھنڈر ویران

دُور سے کیسا ہنستے بستے شہروں جیسا لگتا تھا
لیکن پاس آئے تو آیا ہاتھ کھنڈر ویران

رُوح کے اندر سُکھ اور دُکھ کے اپنے اپنے ڈیرے ہیں
اِک آباد نگر ہے اس کے ساتھ کھنڈر ویران

○

## رو دیتا ہُوں

ہجر کی نم آلود ہَوا
ہر شام ڈھلے
آنکھ بھگو جاتی ہے
اور میں دھیرے سے
دروازہ بند کرتا ہُوں
رو دیتا ہوں

○

# ہجر کی مسافت میں

ہجر کی مسافت میں
دل تمہارے بِن جاناں
بار بار گھبرا کر
زندگی کے رستے سے
دُور دُور ہو جائیے
جیسے کوئی دیوانہ

وحشتوں کے گھیرے میں
شہر کے گلی کوچے
چھوڑ کر کسی بن میں
دُوریوں سے ٹکرا کر
چُور چُور ہو جائے

---

○

# تین شعر

بے اعتبارِ وقت پہ جھنجھلا کے رو پڑے
کھو کر کبھی اُسے تو کبھی پا کے رو پڑے

خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

کب تک کسی کے سوگ میں روئیں گے بیٹھ کر
ہم خود کو کتنی بار یہ سمجھا کے رو پڑے

---

○

رُت نہیں تھی تو رہا جی کا سنبھلنا مشکل
آج موسم ہے تو زنداں سے نکلنا مشکل

چار سُو دائرہ در دائرہ پھیلی چاہت
اتنی مضبوطی سے قائم کہ نکلنا مشکل

آج کے دَور میں نادار کا جینا یُوں ہے
جیسے معذور کا دیوار پہ چلنا مشکل

سچ نہ بولو کہ ابھی شہر میں موسم ہی نہیں
اِن ہواؤں میں چراغوں کا ہے جلنا مشکل

سرسراتے ہوئے جھونکو اسے جا کر کہنا
ہو چُکا ہے دلِ وحشی کا سنبھلنا مشکل

یہ بھی کہنا کہ مِلے ہم سے تو ہنس کر کیونکہ
ہو گا کب اُس کے لیے چہرہ بدلنا مشکل

---

○

سب اپنی ذات کے کرب و بلا کی قید میں ہیں
اور ایک ہم کہ جواب تک وفا کی قید میں ہیں

کوئی خبر ہے سفر کی نہ منزلوں کا پتہ
ہمیں تو عمر ہوئی رہنما کی قید میں ہیں

تھکے تو نظریں چھڑا لائے آسمانوں سے
مگر وہ لب کہ جواب تک دعا کی قید میں ہیں

نظر ہوئی ہے بمشکل سکوت سے مانوس
سماعتیں تو ابھی تک صدا کی قید میں ہیں

سراب ہیں سبھی آزادیاں فضاؤں کی
کہیں پرندے کہیں پر ہوا کی قید میں ہیں

جب اپنے جیسی ہی مخلوق کے شکنجے سے
ہوئے رہا تو یہ دیکھا خدا کی قید میں ہیں

---

# تین شعر

بے آسرا تھے بحر سے نہیں ڈرے
کہیں کسی بھی لہر سے نہیں ڈرے

ترے لیے تو کفر تک کو چھُو لیا
کہ ہم خدا کے قہر سے نہیں ڈرے

گلی گلی کی چُپ ہی کچھ عجیب تھی
ہم اپنے آپ شہر سے نہیں ڈرے

○

# وِن وے

تم جو چاہو
تو ہم
آج بھی اپنی سانسوں کا ہر سُر
تمہیں سونپ دیں
صِرف بیتی ہوئی چاہتوں کے عِوض

○

# تُم نے سُن لیا ہوگا —

چاہتوں کے موسم میں
زخم جو بھی لگ جائے
عُمر بھر نہیں سِلتا ؛
تُم نے سُن لیا ہوگا
شہر کی ہواؤں سے

وہ جو ایک دیوانہ
آتے جاتے راہی کو
راستوں میں مِلتا تھا
اَب کہیں نہیں مِلتا

# دو شعر

یہ نیند کی دیوی بھی عجب دشمنِ جاں ہے
آنکھوں سے سدا دُور رہے رات گئے تک

پسپا ہوئے تنہائی کی یلغار سے جب بھی
ہم شہر میں آوارہ پھرے رات گئے تک

○

موسموں کا تشدّد تو جاری رہا زندگی تھک گئی
سرد راتیں بدن جھولتا چیتھڑا زندگی تھک گئی

آنگنوں میں اُگی وحشتوں میں گھرے جسم و جاں دیکھ کر
رات چاند اور ستاروں نے بھی کہہ دیا زندگی تھک گئی

ہم نے صدیوں ہوا کے تھپیڑوں کو سینے پہ روکا مگر
آگے جانے کہاں تک چلے سلسلہ زندگی تھک گئی

تیرگی کے پروں سے اُڑے اور تم چوٹیوں پر گئے
پیچھے اِک بار تو مُڑ کے دیکھو ذرا زندگی تھک گئی

وہ جو چُپ چاپ بچھڑے ہوؤں کا رہا منتظر آج تک
گھر کی ایک دیوار پر لکھ گیا زندگی تھک گئی

# دو شعر

میں بولا ! مجھ سے بات کرو، وہ بولا ! پاگل آوارہ
پھر میں نے خود کو دیر تلک خود لکھا پاگل آوارہ

وہ ٹھہرا ٹھہرا سا پانی وہ سُلجھا سُلجھا سا موسم
میں اُلجھا اُلجھا سا شاعر، میں ٹھہرا پاگل آوارہ

○

# تو یہ بھی لکھنا

اُداسیوں کا سبب جو لکھنا
تو یہ بھی لکھنا
کہ چاند، تارے، شہاب، آنکھیں بدل گئے ہیں
وہ زندہ لمحے جو تیری راہوں میں
تیرے آنے کے منتظر تھے
وہ تھک کے سایوں میں ڈھل گئے ہیں

۷۰

وہ تیری یادیں، خیال تیرے، وہ رنج تیرے، ملال تیرے

وہ تیری آنکھیں، سوال تیرے

وہ تم سے میرے تمام رشتے بچھڑ گئے ہیں، اُجڑ گئے ہیں

اُداسیوں کا سبب جو لکھنا

تو یہ بھی لکھنا

لرزتے ہونٹوں پہ لڑکھڑاتی دُعا کے سُورج

پگھل گئے ہیں

تمام سپنے ہی جل گئے ہیں

---

# دو شعر

موسم تھا بے قرار تمھیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمھیں سوچتے رہے

بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ گئے ہم
چُپ چاپ سوگوار تمھیں سوچتے رہے

# کونسے دُکھ کی بات کریں

تم تو بس ایک ہی دُکھ پُوچھتے ہو
کونسے دُکھ کی کریں بات ذرا یہ تو بتا
موسموں، سرد ہواؤں کی مسیحائی کا دُکھ
راہ کی دُھول میں بکھری ہوئی بینائی کا دُکھ
سنگ کے شہر میں خود دُکھ سے شناسائی کا دُکھ
یا کسی بھیگتی برسات میں تنہائی کا دُکھ

کونسے دُکھ کی کریں بات کہ دِل کا دریا
اِتنی طغیانی کی زد پر ہے کہ کچھ یاد نہیں
کب ہمیں بھول گیا کونسے ہرجائی کا دُکھ
تم تو بس ایک ہی دُکھ پُوچھتے ہو

○

جو اس کے چہرے پہ رنگِ حیا ٹھہر جائے
تو سانس، وقت، سمندر، ہوا ٹھہر جائے

وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

سبک خرام صبا چال چل پڑے جب بھی
ہزار پھول سرِ راہ آ ٹھہر جائے

وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ دے اگر دمِ آخر
مجھے گماں ہے کہ آئی قضا ٹھہر جائے

میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

اقرار گئے انکار گئے ہم ہار گئے
آنکھوں سے سب آثار گئے، ہم ہار گئے

کچھ یادیں اُس کی بیچ سمندر ڈوب گئیں
کچھ سپنے رہ اُس پار گئے، ہم ہار گئے

جب تنہا اپنی ذات سے جنگ پہ نکلے تو
بھگوان گئے، اوتار گئے، ہم ہار گئے

اِک عُمر رہے ہیں جیت سے بے پروا لیکن
جب جیتنا چاہا ، ہار گئے ، ہم ہار گئے

یُوں اُلجھے دُنیا کے دُکھ میں بے سُدھ ہو کر
سب جھوٹے سچّے پیار گئے ، ہم ہار گئے

پہلے تو پریت میں اپنے آپ سے دُور ہوئے
پھر یار گئے ، دلدار گئے ، ہم ہار گئے

# ایک شعر

اِک بارونق شہر سے خالی واپس آکر
میں نے اپنا شہر بسایا تنہائی میں

# کسے خبر ہے

کسے خبر ہے
کہ جب کسی رات
چاند بدلی کی نرم زلفوں میں
مُنہ چھُپائے
یا سرسراتی ہوا کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈا
خلا کے آنگن میں کھیلتا ہے

تو دُور بیٹھا کوئی اکیلا
اُداس راتوں کی کرب آلود مدّتوں کو
نحیف آنکھوں پہ جھیلتا ہے
کِسے خبر ہے
کہ ایسے عالم میں
دِل بمشکل نڈھال سانسیں دھکیلتا ہے

# جان لیوا شبیں

جان لیوا شبیں
چاہنے والیوں کے لیے
زہر قاتل ہیں جو
اُن کی آنکھوں سے نیندوں کو یوں نوچ کر
پھینک دیتی ہیں جیسے
کوئی راہروِ پیرہن سے اُلجھتی ہوئی شاخ کو

اور تمھیں یہ پتہ ہے

کہ چاہت کی ہر ابتدا شب کی بیداریوں سے ہے

جب تک کوئی آنکھ سیاہی میں لپٹے ہوئے آسمانوں سے

روشن ستارے نہ دِل میں اُتارے

تو یہ جان لو ایسی صحرا صفت آنکھ میں کوئی چہرہ

بسا ہی نہیں ۔

میں ترے اعترافِ محبّت سے ڈرتا نہیں

خوف ہے تو یہی ہے کہ اے جانِ من

جان لیوا شبیں چاہنے والیوں کے لیے زہرِ قاتل ہیں جو

تیری آنکھوں کے رستوں سے

دِل میں اُتر کر

تمھیں عُمر بھر

ہر نئی شب نئی زندگی دے کے پھر

ہر نئی شب نئی موت دے جائیں گی

# دو شعر

کئی زمانے میں اپنی کڑی شکست کے بعد
خود اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں میں قید رہا

وہ ایک چہرا جو آنکھوں میں آب تھا کبھی
تمام عمر مرے آنسوؤں میں قید رہا

○

رُوح پہ اب اُفتاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے
رہ رہ کر جب یاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

آنکھ نے اتنے شہر اُجڑتے دیکھے ہیں کہ رستے ہیں
اَب بستی آباد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

وہ لڑکی جو دشمن کا ہر حملہ ہنس کر سہتی ہے
اپنوں کی امداد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

اس کو ویرانوں سے گھور اندھیروں سے کچھ خوف نہیں
لیکن آدم زاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

دل میں اتنی گہری چُپ ہے اتنا گم سنّاٹا ہے
بھولی بھٹکی یاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

دِل اس شہر میں جیسے اِک پَر ٹوٹی تن تنہا چڑیا
جنگل میں صیاد کوئی آئے تو گھبرا جاتی ہے

---

○

ہاں یہ ہو گا کہ ذرا دل کو سنبھالے دے گا
ورنہ یہ خواب سفر آنکھ کو چھالے دے گا

کون راتوں کو جلائے گا تری یادوں کو
کون یوں بعد مرے تجھ کو اُجالے دے گا

دیس سے دُور رہو ورنہ یہ آزاد وطن
بیڑیاں پاؤں کو اور ہونٹ کو تالے دے گا

پہلے معیار بنائے گا چمکتے ملبوس
پھر وہ فہرست سے کچھ نام نکالے دے گا

اِک ذرا پاؤں میں جھنکار بجے سِکّوں کی
پھر مرے نام کے ہر شخص حوالے دے گا

اَب تو آجا کہ تھکا ہارا مسافر آخر
کب تلک ڈوبتی سانسوں کو سنبھالے دے گا

○

# دو شعر

یوں تِری چاہتوں سے گزرے ہیں
جیسے کوئی حصار سے گزرے

خواب میں تو نہیں مِلا اور ہم
بادلوں کی قطار سے گزرے

---

○

# کبھی جو کوئی پُوچھ لے

سہیلیو!
کبھی جو کوئی
چاہتوں، محبتوں کے بارے تم سے پُوچھ لے
ہر ایک پل گواہ ہے
کہ کس طرح ہمارے اُجلے اُجلے دِل دُعاؤں جیسی
چاندنی میں نِکھری نکھری چاہتوں کے گیت سے

فرشتوں جیسی پریت سے بھرے رہے
ہر ایک پل گواہ ہے
نگہ اُٹھی تو اس قدر حیا کی روشنی لیے
کہ آس پاس داغ داغ آنکھ بھی چمک اُٹھی
زباں ہلی تو لفظ اپنی عظمتوں کو دیکھ کر
خود اپنے آپ دل میں سُرخرو ہوئے
ہر ایک سوچ آیتوں کا ترجمہ بنی رہی
ہر ایک خواب رُوح سے نکل کے جیسے رُوح میں اُتر گیا
سہیلیو!
کبھی جو زندگی میں کوئی چاہتوں، محبّتوں کے بارے تم سے پُوچھے
تو تم ضرور عبادتوں کے بارے اُس سے پُوچھنا

---

# دو شعر

بھُول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا

نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جب رات تم کو یاد کیا

---

# وہ آخری شام

نئی رُتوں کے نئے سفر میں
تمھیں اجازت ہے بھُول جانا
ہزار سالوں پہ ثبت چاہت کی پوری تاریخ بھول جانا
مگر مِری جاں
سراب ماضی کے خواب آلُود روز و شب کی وہ آخری شام یاد رکھنا
وہ آخری شام

جب تمھاری مری نگاہیں ہوں گے

ایک دوجے کے دل کے اندر اُتر کے شفّاف آئینوں میں
خود اپنے چہروں کے عکس دیکھے تو رو پڑے تھے

وہ آخری شام

جب مجھے تم نے یہ کہا تھا
کہ چاند دیکھو تو سرسراتی ہوا کے دل پہ مری
تمنّا کے نام کوئی پیام لکھنا

وہ آخری شام یاد رکھنا

تری نگاہوں سے جب میں اپنی نگہ چھُڑا کے
پلٹ رہا تھا
تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا تھا
مگر ہوا میں نمی اچانک ہی بڑھ گئی تھی

○

# دو شعر

تمام دن بھی تو بانٹا ہے غیر لوگوں میں
یہ رات تیرے خیالوں میں کٹ گئی تو کیا

بہت کٹھن تھا پسِ چشم روکنا سیلاب
جو بولتے ہوئے آواز پھٹ گئی، تو کیا

---

○

میں نے دیکھا دیوانوں کو شام کے بعد
ڈھونڈ رہے تھے ویرانوں کو شام کے بعد

تاریکی پھر سارے عیب چھپا لے گی
لے آنا گھر مہمانوں کو شام کے بعد

میں نے اس کا سوگ منایا کچھ ایسے
خالی رکھا پیمانوں کو شام کے بعد

یاد کرے جب مجھ کو تیری تنہائی
دیکھا کرنا گلدانوں کو شام کے بعد

فرحتؔ چاند کے خوف سے کر لیتا ہوں بند
کمرے کے روشن دانوں کو شام کے بعد

○

# ایک ادھوری نظم

میں کیا لکھوں ؟
محبّت کائناتی وسعتوں سے بھی
کہیں آگے کی لامحدود وسعت ہے
کسی چہرے کو آنکھوں اور خوابوں کی دُعا پر نقش کرنا
اس کے بارے سوچنا
اور اپنی ہر خواہش کو بس اُس ذات تک محدود کر لینا

ٹھٹھرتی آبشاروں میں بُجھی ٹھنڈی ہوا سہنا
تنبوں کے گنبدوں میں تو مجھی بے چینیوں کے درمیاں رہنا
ہر اِک موسم کو اپنے اندرونی موسموں کی زد میں لے آنا
کبھی بِل کے کسی سے
بے خبر، آدھے سمندر تک سفر کرنا
کبھی تنہا کسی ساحل پہ آ کے دیر تک لہروں کو گننا
اور خلا میں دیکھتے رہنا محبّت ہے
کسی کھوئے ہوئے کو غیر ارادی طور پر
ہر اجنبی چہرے میں اکثر ڈھونڈتے رہنا
ہمیشہ بے خیالی میں
کتابوں، چاند تاروں، بادلوں پر
اس کے بارے جھلملاتی بات لکھ دینا
یا پھر لکھ کے مٹا دینا

اُسے بے صوت ہونٹوں سے صدا دینا
صدا کو بازگشت اور گونج میں ڈھل کر
خلاؤں سے تہی دامن پلٹتے دیکھنا
اور پھر صدا دینا
محبّت ہے
میں کیا لکھوں ؛
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
بہت ہی روٹھ کر ناراض ہو کر
ناپسندیدہ خیالوں ، نفرتوں کی اوٹ سے
یا مختلف حیلوں بہانوں سے
کسی کو جھانکتے رہنا
کسی کو سوچتے رہنا
وہ مانے یا نہ مانے بس اُسے لکھنا اُسے کہنا
محبّت ہے

○

کہیں آرزوئے سفر نہیں، کہیں منزلوں کی خبر نہیں
کہیں راستہ ہی اندھیر ہے کہیں پا نہیں کہیں پر نہیں

مجھے اضطراب کی چاہ تھی مجھے بے کلی کی تلاش تھی
انھیں خواہشات کے جرم میں کوئی گھر نہیں کوئی در نہیں

کوئی چاند ٹوٹے یا دل جلے یا زمیں کہیں سے اُبل پڑے
ہم اسیرِ صورتِ حال ہیں ہمیں حادثات کا ڈر نہیں

اے ہوائے موسمِ غم ذرا مجھے ساتھ رکھ مرے ساتھ چل
مرے ساتھ میرے قدم نہیں مرے پاس میری نظر نہیں

یہ جو عُمر بھر کی ریاضتیں ، یہ نگر نگر کی مسافتیں
یہ تو روگ ہیں مہ و سال کا یہ تو گردشیں ہیں سفر نہیں

○

سکوتِ شام کسی کا خیال ، سرد ہوا
کسی کو توڑ ، کسی کو سنبھال ، سرد ہوا

اجاڑ شہر کی ہر سبز رُت کہ پھر باقی
نہ کوئی دُکھ ہو نہ کوئی ملال ، سرد ہوا

مجھے روانی کی ساری اذیّتوں سے بچا
میں لہر ہُوں مجھے پتّھر میں ڈھال سرد ہوا

تو پور پور میں اُتر سی اُتر کے مار گئی
کہ ہم سمجھ نہ سکے تیری چال سرد ہوا

کہیں سے برف گرا میرے جسم پر یا پھر
مجھے دہکتے بدن سے نکال سرد ہوا

---

# وقت کو گزرنا ہے

موت کی حقیقت اور
زندگی کے سپنے کی
بحث گو پرانی ہے
پھر بھی اِک کہانی ہے
اور کہانیاں بھی تو
وقت سے عبارت ہیں
لاکھ روکنا چاہیں

○

# وقت کو گزرنا ہے

موت کی حقیقت اور
زندگی کے سپنے کی
بحث گو پُرانی ہے
پھر بھی اِک کہانی ہے
اور کہانیاں بھی تو
وقت سے عبارت ہیں
لاکھ روکنا چاہیں

ہنستے بستے شہروں کو
ایک دن اُجڑنا ہے
راحتیں ہوائیں ہیں
چاہتیں صدائیں ہیں
کیا کبھی ہوائیں بھی
دسترس میں رہتی ہیں
کیا کبھی صدائیں بھی
کچھ پلٹ کے کہتی ہیں
پیار بھی نہیں رہنا
اور پیار کا دُکھ بھی
آنسوؤں کے دریا کو
ایک دِن اُترنا ہے
خواہشوں کو مرنا ہے

○

# محبّت بھی کچھ ایسی

مجھے خود سے محبّت ہے
محبّت بھی کچھ ایسی
جو کسی صحرا کو بارش سے
کہ بارش جس قدر بھی ٹُوٹ کر برسے
ذرا پل بھر کو پیاسی ریت کے لب بھیگ جاتے ہیں
مگر بس اِک ذرا پل بھر

محبّت بھی کچھ ایسی

جو پرندوں کو فضاؤں سے

گلوں کو خوشبوؤں سے

منظروں کو لہلہاتے موسموں سے

جس میں چھونے، جذب رکھنے، اور گلے مِل کے ہمیشہ

مسکرانے کے لیے

دل چاہتوں اور خواہشوں کی سب حدوں کو پار کر جائے

مجھے خود سے محبّت ہے مگر

اتنی نہیں جتنی مرے سودائی کو مجھ سے

وہ اپنے رات اور دن، دھوپ چھاؤں، ساحلوں،

دریا، کناروں کو

فقط اِک میرے نقطے میں سمیٹے

اور میری چاہتوں میں

آنکھ سے دل، رُوح سے وجدان کی ہر کیفیت میں ڈوبتا

ذات اور معروض کے سارے حوالوں سے کبھی کا کٹ چکا ہے

اور مجھے اس سے محبت ہے

محبّت بھی کچھ ایسی
جو کسی صحرا کو بارش سے

## دو شعر

سمے جیسے گزرتا جا رہا ہے
کوئی دِل سے اترتا جا رہا ہے

بنا تھا ریتلی مٹی سے جیون
بکھرتا ہی بکھرتا جا رہا ہے

○

## دو شعر

سمے جیسے گزرتا جا رہا ہے
کوئی دِل سے اترتا جا رہا ہے

بنا تھا ریتلی مٹی سے جیون
بکھرتا ہی بکھرتا جا رہا ہے

______

# ایک شعر

پرائے پن کی وسیع و عریض دُنیا میں
یہ اِک خوشی ہی بہت ہے کہ درد اپنا ہے

○

تمھارا دھیان باقی رہ گیا ہے
یہی سامان باقی رہ گیا ہے

دُعا کی آخری حد پر کھڑا ہوں
درِ بے جان باقی رہ گیا ہے

وفا کے شہر سے سب جا چکے ہیں
دلِ نادان باقی رہ گیا ہے

کسی نے مُڑ کے دیکھا تک نہیں اور
کوئی مہمان باقی رہ گیا ہے

نِکل جا شہر میں اور ڈھونڈ کے لا
اگر انسان باقی رہ گیا ہے

کسی بھی چیز کا امکاں نہیں ہے
یہی امکان باقی رہ گیا ہے

اُسے کب ہے گوارا اِس قدر بھی
جو سائبان باقی رہ گیا ہے

مسافر جا چکے ہیں سارے دِل سے
مگر ارمان باقی رہ گیا ہے

○

مِری جاں تم سے اپنا آپ پیارا کون کرتا ہے
مرض دینے لگے تسکیں تو چارا کون کرتا ہے

کئی گمنام خوشیاں پُھوٹتی ہیں رات بھر دِل میں
نجانے خواب میں آ کر اشارا کون کرتا ہے

کبھی سوچا نہیں تم نے کہ تم کو ایک مدّت سے
سمے کی اوٹ میں چُھپ کر پکارا کون کرتا ہے

ابھی تو مل کے چلتے ہیں سمندر کی مسافت میں
پھر اِس کے بعد دیکھیں گے کنارا کون کرتا ہے

گھٹائیں کون لاتا ہے مِری آنکھوں کے موسم میں
پھر اُس کے بعد بارش کا نظارا کون کرتا ہے

# محبّت کی ادھوری نظم ۲

اِک افسانہ پڑھتے پڑھتے چھوڑ دیا
اور اپنی اِک نظم ادھوری رہنے دی
سرد ہوا کے جھونکے نے کھڑکی کھولی تو
چونک گیا
اور پھر کافی رات گئے جب نیند آئی تو
آنکھیں ہنس دیں،
پلکیں اپنا آپ جھپکنا بھول گئیں

# ایک شعر

لاکھ مسیحا تھک ہارے سَو چارہ گر ناکام ہوئے
لیکن پاگل پن اپنی ہی مَن مانی سے دُور ہُوا

جلنے لگی لہو میں جُدائی تو رو دِیے
تنہائیوں نے خاک اُڑائی تو رو دیے

چہرے نے تیرا روگ چھپایا تو ہنس دیے
آنکھوں نے تیری یاد منائی تو رو دیے

خوشبو نے کوئی یاد دلایا تڑپ اُٹھے
پھُولوں نے داستان سُنائی تو رو دیے

گزرا ہے ہم پہ خود ہی عالم اسی لیے
ہنسنے لگی کسی پہ خدائی تو رو دیے

راس آچکی تھی تیرگیٔ شب کچھ اِس قدر
گر شمع بھی کسِی نے جلائی تو رو دیے

# تین شعر

کاغذ کاغذ حرف سجایا کرتا ہے
تنہائی میں شہر بسایا کرتا ہے

کیسا پاگل شخص ہے ساری ساری رات
دیواروں کو درد سُنایا کرتا ہے

رو دیتا ہے آپ ہی اپنی باتوں پر
اور پھر خود کو آپ ہنسایا کرتا ہے

○

# دو شعر

اپنا پن بھی اِس بیگانے پن میں ہے
پُورا عالم اِک دیوانے پن میں ہے

یہ جو تم سے میں انجان بنا پھرتا ہوں
ساری بات اِسی انجانے پن میں ہے

———

# محبّت کی ادھوری نظم ۳

اے جان!
تمھارا نام
کوئی بھی شام چُرا کے لے جاتا ہے
جب جی چاہے
بام گرا جاتا ہے
تیری میری ساری رنجش کی

اِک کام ابھی باقی ہے میرے کرنے کا
یہ ٹُوٹے دل کا جام ابھی دھونا ہے مجھ کو
اور بسا رکھنا ہے کوئی اور
کوئی پیغام ، کوئی ابہام ، کوئی انجام
کہ اس کے بعد مری ہر شام
فقط میری ہی ہو
اے جان :
تمھارا نام کوئی بھی شام چُرا کے لے جاتا ہے

---

# تین شعر

تمھارے بعد سپنے بن رہی ہے
اُداسی راکھ سے کیا چُن رہی ہے

ذرا آہستہ بول اے یادِ یاراں
مِری تنہائی سب کچھ سُن رہی ہے

تمھارے کرب کی پُرکیف لَے پر
مِری دھڑکن ابھی سر دُھن رہی ہے

○

جہاں جہاں برسات اُترتی دیکھی ہے
ہر سُو تیری یاد بکھرتی دیکھی ہے

تم سے پہلے دِل سا بُزدل کوئی نہ تھا
اور پھر دِل سے دُنیا ڈرتی دیکھی ہے

ویرانے بھی ہم نے دیکھے چلتے پھرتے
خاموشی بھی باتیں کرتی دیکھی ہے

۱۲۵

دِل کے گھرے سنّاٹے میں راتوں کو
کبھی کبھی اِک کُوک اُبھرتی دیکھی ہے

بس اِک جینے کی خواہش تھی اور وہ بھی
ہم نے اپنی آنکھوں مَرتی دیکھی ہے

---

○

# خزاں نصیب

اجنبی دیس میں
ایسے بھی ہوا کرتا ہے
چاہتیں راہ بھٹک جاتی ہیں
اور نہیں ملتی سرائے کوئی
اور کوئی جاننے والا بھی نہیں ہوتا کہیں آس نہ پا

دِل کسی ڈوبے ہوئے ڈر سے دھڑک اُٹھتا ہے
شہر ہو جاتا ہے کچھ اور بھی تنگ و تاریک
میں ترے شہر میں کیسا ہوں کسی روز مجھے دیکھنے آ

---

# دو شعر

جسم صحرا ہوا ہے اور اس میں
اپنے نیزے اُتارتی ہے دُھوپ

میرے مجنوں کہاں گئے ہو تُم
چھاؤں چھاؤں پکارتی ہے دُھوپ

○

شاہ مزاج تھے سائل کر کے کہتے ہو
سارا جیون گھائل کر کے کہتے ہو

کچّے گھڑے پر تیرا کرتے تھے کچھ لوگ
سات سمندر حائل کر کے کہتے ہو

پیار میں بے پرواہی اچھی لگتی ہے
جان و دل سب مائل کر کے کہتے ہو

دل کی ساری باتیں سچ نہیں ہوتیں
اِک اِک دل کو قائل کر کے کہتے ہو

لوگوں کے کانوں سے دُور رہے جھنکار
قدم قدم کو پائل کر کے کہتے ہو

# پسِ دیوار

کبھی سوچو

دلوں کے درمیاں دیوار کِس نے کھینچ ڈالی ہے

مِری آنکھیں ستارے یاد کر کے

تھکی ہاریں تو کِس نے خواب بھیجے ہیں

زمینیں پیاس سے پھٹنے لگیں تو بادلوں کو کون لایا ہے
کبھی سوچو دلوں کے درمیاں دیوار کس نے کھینچ ڈالی ہے
اور اس سارے خرابے میں
تمہارا اور میرا ہاتھ کتنا ہے

---

# دو شعر

محبّت میں تونگر ہو رہا ہوں
میں قطرہ تھا سمندر ہو رہا ہوں

ہر اِک خانے میں تیرے بُت سجے ہیں
کسی دیوی کا مندر ہو رہا ہوں

# دو شعر

محبّت میں تونگر ہو رہا ہوں
میں قطرہ تھا سمندر ہو رہا ہوں

ہر اِک خانے میں تیرے بُت سجے ہیں
کسی دیوی کا مندر ہو رہا ہوں

○

# تین شعر

داغ لگے تو دھونے میں بھی عُمر لگا دی
ہم نے سپنے بونے میں بھی عُمر لگا دی

ہنستے تھے تو صدیاں حیراں ہوتی تھیں
روئے تو پھر رونے میں بھی عُمر لگا دی

بیگانے پن میں بھی اس نے عُمر بِتائی
اور پھر میرا ہونے میں بھی عُمر لگا دی

# ایک شعر

رُکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
گزر رہا ہے کوئی دِل سے بادلوں کی طرح

○

یہ نہ سمجھو کہ ٹل رہی ہے شام
اپنے تیور بدل رہی ہے شام

تم نہیں آئے اور اُس دن سے
میرے سینے میں جل رہی ہے شام

پھیلتی جا رہی ہے تاریکی
ایک دُکھ سے نکل رہی ہے شام

زرد سُورج چھپا رہا ہے بدن
لمحہ لمحہ پگھل رہی ہے شام

اوڑھتی جا رہی ہے خاموشی!
ایسا لگتا ہے ڈھل رہی ہے شام

اُس کے ہمراہ چل رہا ہے دن
میرے ہمراہ چل رہی ہے شام

# کبھی کچھ یاد آئے تو

یت کی نگہداری
ر چہ انتہائی مشکل
ہے
ر اس قریہ قریہ منتشر دوری کے پردے پر
نے کب کہاں، کس نے کسی کو سونپ رکھی ہے   عجب بے اختیار
اپنی تہوں میں کیا چھپائے پھر رہا ہے
ر ہی جانتا ہے

ہم مسافر اپنے قدموں کی صفوں میں گم
رسائی سے اُدھر کچھ جھانکنے لگتے
تو ویرانی بھی ہم کو گھر نظر آتی
ہمارے پاس دُکھ تو ہیں مگر جاناں
ہمیں اپنے دکھوں کو دل سے بہلانے کا گُر شاید نہیں آتا
کہیں تو دُر کھلا رکھنے کی عادت میں
پرائی چاپ سے مضروب ہوتے ہیں
کہیں زخموں کی عادت میں کسک کھو بیٹھتے ہیں
اجنبیت کے کسی الزام سے منسوب ہوتے ہیں
اسے چھوڑو
میں اپنی بات کرتا ہوں
نبھداری اذیت کی تمہیں کب یاد ہو گی تم نے کس کو کب کہاں ذمے لگائی تھی
مگر یہ دل دراڑوں سے بھری دیوارِ دل
تختہ تمہاری آزمائش کا
مری آنکھوں سے اب بھی جھانکنے لگتا ہے حیرت سے

یہ پنجرہ یہ نگہباں پاس داری کا
وریدوں میں لہو کی گردشیں بھی اس کو چبھتی ہیں
تمہیں آنا نہیں لیکن
کسی کو بھیج کر بازار کچھ قیدی پرندوں کو رہا کروا دیا کرنا
کبھی کچھ یاد آئے تو

○

اُداس پیڑوں کی دِل پہ ہے باڑ ہجر کی شام
کسی کو توڑ کسی کو اُکھاڑ ہجر کی شام

مری نگاہ پہ تُو نے بٹھا دیا رستہ
نحیف سینے پہ رکھ دی پہاڑ ہجر کی شام

نہ کوئی گیت نہ کوئی صدا پرندے کی
بسی ہوئی ہے نگر میں اُجاڑ ہجر کی شام

ترے ہی دم سے طبیعت میں سوز ہے ورنہ
یہ دن تو ایسے ہے جیسے کباڑ ہجر کی شام

چلو کچھ اور نہیں تو ہمی پلٹ جائیں
کھلے رکھے ہیں کسی نے کواڑ ہجر کی شام

زیادہ تر تو ہے شفاف آئینہ دل کا
کہیں کہیں پہ ہے لیکن دراڑ ہجر کی شام

---

# دو شعر

دُور دُور تک پھیل گئی ہے
کیسی شام اُتار گئے ہو

کن ویرانوں میں گُم سُم ہو
کس دریا کے پار گئے ہو

یہی سمجھ میں آیا ہے
شہر کا شہر پرایا ہے

بستی بستی ہیں اس کی
ویرانہ ہمسایہ ہے

جھوٹے رشتوں ناطوں کا
برسوں بوجھ اٹھایا ہے

دل سے تم بھی کہہ دیکھو
ہم نے بھی سمجھایا ہے

کیسا دُکھ ہے فرحت جی
کس نے روگ لگایا ہے

# شِدّت

یاد کی

یہ بھی تو مجبوری ہے

کھڑکیاں بند ملیں دل کی

تو بے چینی سے

سر پٹختے ہوئے دہلیز پہ مر جاتی ہے

# انتظار

رات اور دن کی مسافت میں
صدی آن بسی
زرد رنگوں میں آئی سرد ہوا
بھٹکے ہوئے سائے کی مانند چلی آہستہ
پیڑ کی چھال میں رویا جو بھرم سبزے کا
ٹھہرا ٹھہرا سا لگا لمحۂ ویراں ہر سُو

دُکھ کی ایک ایک گھڑی چمکی، جلی آہستہ
جب بھی ٹکرا کے تری یاد سے غم پلٹا ہے
دل کی دیوار سے لگ لگ کے ہر اک شام ڈھلی آہستہ

○

دشت کی ایک اپنی کہانی ہے تنہائی کی

دِل
خوشی میں بھی
کوئی نہ کوئی سبب ڈھونڈ لیتا ہے
افسردگی کا
تِرے بعد
اور
بولتا کچھ نہیں

○

اُفق اُفق سر مارے شام
رو رو وقت گزارے شام

آج بہت گہری ہے زردی
سمجھی آج اشارے شام

کس کی خاطر مر مر جائے
کس کو روز پکارے شام

تیری چُپ ہم سے گہری ہے
تُو جیتی ہم ہارے شام

صحن سے کون نکالے دِن
چھت سے کون اُتارے شام

---

رات اِک اور نیا ظُلم ہوا

خواب دیکھا نہ ترے نام کوئی گیت لکھا

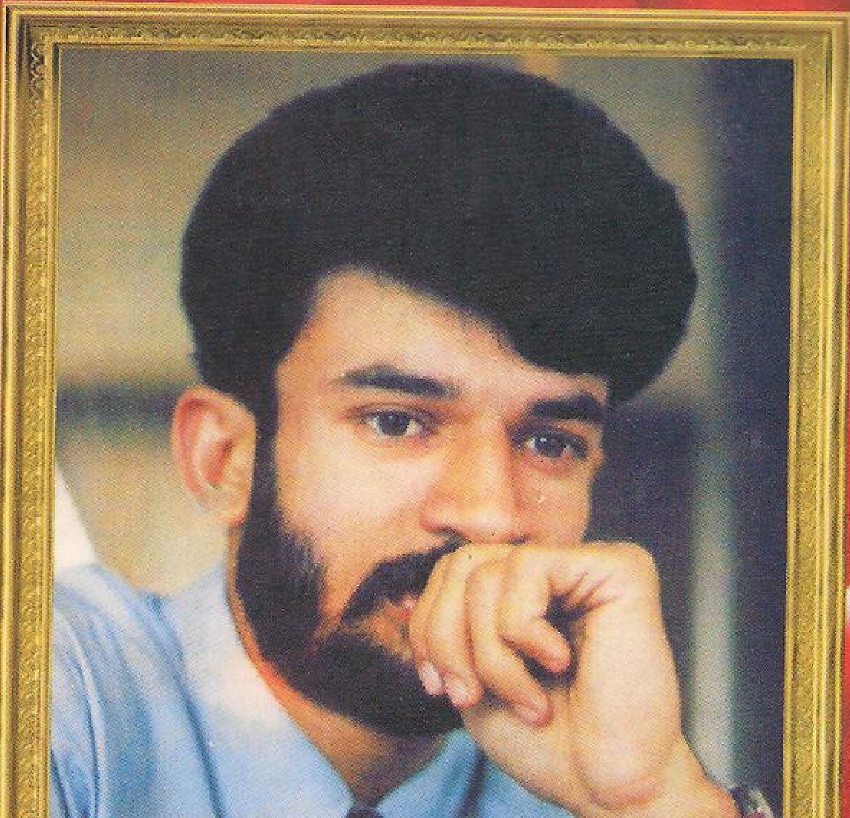

فرحت عباس شاہ کی کتاب ''**شام کے بعد**'' میں سے ایک شعر

اُداس شامیں، اُجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا


**علم و عرفان پبلشرز**

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332، 7232336 فیکس: 7223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com


Design by FAZEEL KIANI